سراج منیر صلی اللہ علیہ وسلم

تحریر: جناب غلام سرور قریشی عباس پورہ جہلم

ہم اپنی خوبی قسمت پر نازاں ہیں کہ سیدنا و مولانا حضرت محمد ﷺ کی امت میں پیدا ہوئے۔ یہ شرف، یہ اعزاز اور یہ اکرام کتنا بڑا ہے کہ اسے سن کر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے حضور اقدسؐ کا امتی ہونے کی دعا و تمنا فرمائی ہے، دعا قبول ہوئی اور جب وہ آسمانوں سے زندہ اتریں گے تو حضور اقدسؐ کے امتی کے طور پر تشریف لائیں گے۔ قرآن مجید ہمیں خیر الامم اور امت وسط کے ناموں سے پکارتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿کنتم خیر أمة أخرجت للناس .....﴾ (آل عمران) ترجمہ: ''تم بہترین امت ہو، تمہیں لوگوں میں (مثالی) انداز میں اٹھایا ہے (کہ) تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی کو روکتے ہو۔'' پھر فرمایا: ''تم امت وسط ہو تم لوگوں پر گواہ لائے جاؤ گے اور رسول اللہؐ تم پر گواہ ہوں گے۔'' دیکھیئے تو سہی! ہمیں کیا مرتبہ و مقام حضورؐ کی برکت سے ملا ہے۔ میدان حشر میں ہمیں جمیع اولاد آدم پر گواہ کے طور پر طلب کیا جائے گا اور یہ بھی سوچیں ہم کس کے گواہ ہوں گے؟ ارض و سما کے ملیک مقتدر کے بادشاہی گواہ اور ہماری شہادت پر اولاد آدم کے فیصلے ہوں گے۔ جس نبیؐ کی امت کی یہ تشریفات ہیں، اسی نبیؐ کے علو مقامات کو قرآن مجید نے ہی بیان فرمادیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ''آپ (لوگوں کو) اللہ کے اذن سے اللہ کی طرف بلاتے ہیں'' اللہ کے بندوں کو اللہ کے دربار میں بلانے کا اختیار حضور ﷺ کو دیا گیا ہے۔ جس گھر کا مالک اپنے کسی دوست یا رشتہ دار کو یہ اختیار دے کہ اس کے گھر میں ہونے والی دعوت میں وہ جسے بلائے گا، وہ اس گھر کا مہمان تسلیم ہوگا۔ اس دوست یا رشتہ دار کا صاحب خانہ کے ہاں مرتبہ مسلم ہوتا ہے۔ اس سے اللہ کے گھر میں حضور اقدسؐ کے مرتبہ و مقام کا اندازہ لگالیجیئے۔ جو بھی آپؐ کی دعوت قبول کر کے اسلام لائے گا، وہ اللہ کے ہاں قبول کرلیا جائے گا اور ﴿نزلاً من غفور الرحیم﴾ کے دسترخوان پر بہشت میں اللہ تعالیٰ کا مہمان ہوگا۔ اس داعی الی اللہ کا مقام بھی خود قرآن نے بتادیا کہ وہ سراج منیر ہے۔ گمراہی کی ظلمتیں آپؐ کے وجود پاک سے چھٹ گئیں۔ ہدایت کا نور چہار دانگ عالم میں پھیل گیا۔ واقعی آپؐ روشن چراغ ہیں۔

سورہ یٰسین میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿انک لمن المرسلین، علیٰ صراط مستقیم﴾ حضورؐ دنیا

سے تشریف لے گئے۔ آپؐ اپنی حیات مبارکہ میں جن راستوں پر سے گزرے اور اپنی سنت کی جو لکیریں صفحۂ ہستی پر چھوڑیں، وہ صراط مستقیم ہے۔ اس راستے کی صحت پر اللہ نے خود شہادت دی اور اس راستے کو قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں کیلئے راہ ہدایت فرمایا اور حضورؐ کی زبان وحی ترجمان سے کہلوایا: ''میں تم سب (ساری اولاد آدم) کیلئے نبی ہوں۔'' غور طلب نکتہ یہ ہے کہ صرف حضرت محمد ﷺ کو ہی یہ اعزاز و اکرام کیوں عطا ہوا؟ حضرات ابراہیمؑ، عیسیٰؑ و موسیٰؑ جیسے جلیل القدر مرسلین بھی تو تھے۔ یہ تاج ان کے سر پر ہی کیوں نہ سجا دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابھی ساری ہدایت نہ بھیج دی تھی۔ اس کی حکمت بالغہ کے کیا کہنے.... اس نے اپنی ساری ہدایت حضورؐ کے ذریعے اہل عالم کیلئے بھیج دی۔ مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ قانون ہدایت کا کچھ حصہ اب بھی خزائن الٰہیہ میں باقی ہے یا نہیں... پر اتنی بات ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی نئی ہدایت نہ بھجیں گے کیونکہ نبوت آپؐ پر ختم ہوگئی۔ پہلے انبیاؑ کی ہدایت میں تحریف ہوگئی۔ مگر ہمارے آقا و مولا کی ہدایت کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لی۔

حضور اقدسؐ جامع حیثیات تھے۔ آپؐ نے اپنی حیات طیبہ کے دوران ہر اس راہ پر اپنا نقش پا چھوڑا۔ جس پر کسی انسان کو مثبت مفہوم میں چلنا پڑتا ہے۔ بکریاں چرائیں، تجارت کی، جنگیں لڑیں، بیوی بچے پالے، سیاسی امور نپٹائے۔ مقدمات کے فیصلے کئے، فاقے کاٹے، نمازیں پڑھیں اور پڑھائیں، صدقے کئے، حج کیا، سواری فرمائی، پیدل چلے، سوئے، جاگے، روزے رکھے اور افطار کئے۔ دردیتیمی کاٹا، فقیری کی، بادشاہی کی، دوستیاں نبھائیں، ہمدردی کی، غمگساری کی، مہمان نوازی کی اور خود مہمان بنے۔ میں کہاں تک گنوں، حیات انسانی کے تمام شعوب میں حضورؐ سراج منیر کی طرح چمکتے رہے اور اسی چمک کا نام صراط مستقیم ہے۔

سیدنا انسؓ نے دس سال تک حضور اقدسؐ کی خدمت گزاری کا شرف پایا، ان کا بیان ہے اس عرصہ آپؐ نے انہیں جھڑکا نہ کوسا، حالانکہ ان سے کئی کوتاہیاں ہوئیں۔ ان کے ہاتھ سے کوئی برتن ٹوٹ جاتا تو سیدہ عائشہ صدیقہؓ ناراض ہوتیں مگر آپؐ فرماتے: ''عائشہ! اس کی میعاد ہی اتنی تھی۔'' وہ کہتے ہیں۔ ''حضورؐ جیسا کریم و شفیق انسان کوئی نہیں تھا۔''

آپؐ کے اصحابؓ کا آپؐ سے عقیدت کا یہ عالم تھا کہ آپؐ وضو فرماتے تو پانی نیچے نہ گرنے دیتے بلکہ ایک ایک قطرے پر نچھاور ہوتے اور اپنے چہروں پر مل لیتے۔ بچوں سے محبت فرماتے۔ آپؐ سواری پر ہوتے، بچے راستہ روک لیتے اور آپؐ سواری سے اتر جاتے اور ان کا ہاتھ تھام لیتے۔ کوئی شے تقسیم فرماتے تو

ابتداء بچوں سے فرماتے، مستورات کو ہر کام میں اولیت دیتے۔ سیدہ عائشہؓ کو پہلے سوار کرتے، خود بعد میں سوار ہوتے۔ سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹاتے۔ یتامیٰ کے سر پر دست شفقت رکھتے۔ مساکین کی صحبت پسند فرماتے۔ مہمان کی خاطر مدارت فرماتے۔ صلہ رحمی کرتے۔ (جنگ بدر کے قیدیوں میں آپؐ کے چچا عباسؓ بھی پکڑے گئے۔ ان کی مشکیں کسی تھیں اور وہ تکلیف سے کراہ رہے تھے۔ حضورؐ بے چین تھے اور ان کے ہاتھ پاؤں کھلوائے) ہاتھ سے کام کرنے میں عار نہ سمجھتے۔ اپنی جگہ خود صاف فرمالیتے۔ اپنے جوتے اور لباس پر پیوند لگالیتے۔ گفتگو ہر آدمی کے فہم وادارک کے مطابق فرماتے۔ جامع کلمات تھے۔ احادیث کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ ایک ایک لفظ گن گن اور چن چن کر برتا گیا اور ضرورت سے زائد ایک کلمہ تک نہیں کہا گیا۔

مکہ والوں نے آپؐ پر کیا کیا زیادتی نہ کی تھی۔ آخر ہجرت کر جانے پر مجبور کر دیا۔ بیت اللہ شریف اور وطن مألوف سے دوری آپؐ پر بڑی شاق تھی۔ مدینہ میں بھی ان ظالموں نے آپؐ کو سکھ کا سانس نہ لینے دیا۔ مکہ فتح ہوا تو یہی ظالم لرزہ براندام آپؐ کے سامنے کھڑے تھے کہ آپؐ آج ان سے گن گن کر بدلے لیں گے۔ وہ بھی کیسا منظر تھا جب آپؐ کے لب مبارک ہلے اور فرمایا: (لا تثریب علیکم الیوم) واقعی آپؐ رحمت للعالمین تھے۔ آپؐ کی رحمت وراحت کا فیض جانوروں پر بھی وسیع تھا۔ چڑیا کے انڈے واپس گھونسلے میں رکھوائے اور کمزور جانوروں پر زیادہ بوجھ لادنے سے منع فرمایا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کو بلیوں سے محبت تھی۔ اسے پسند فرمایا اور ابو ہریرہ کا خطاب دیا۔ اقربا نوازی سے پرہیز فرماتے۔ سیدہ فاطمہؓ نے لونڈی مانگی تو انکار فرمادیا۔ نماز باجماعت میں ضعفائے مسلمین کی رعایت فرماتے، عورتوں کے ساتھ بچے ہوتے تو قرأت ہلکی اور مختصر فرماتے۔

انصاف پسند ایسے کہ یہودی جھوٹی قسم کھا گیا تو اپنے جلیل القدر صحابیؓ، عم زاد اور پیاری فاطمہؓ کے خاوند سیدنا علیؓ کی زرہ اسے دے دی۔ ایک یہودی قرض کی واپسی کا تقاضا کرنے آیا۔ اس کا رویہ درشت تھا، سیدنا عمر فاروقؓ نے یہودی کو ڈانٹا تو انہیں روکا کہ قرض خواہ کو تقاضا کا حق ہے۔

اولاد سے حد درجہ محبت تھی۔ سیدہ فاطمہؓ تشریف لاتیں تو ان کیلئے اپنی ردائے مبارک بچھا دیتے۔ پہلے رقیہؓ اور پھر ام کلثومؓ کے خاوند سیدنا عثمانؓ سے بے پناہ محبت فرماتے۔ اپنے بیٹوں کی وفات پر آنسو بہائے۔ حسنین کریمینؓ حالت سجدہ میں حضورؐ کی پشت مبارک پر چڑھ جاتے تو سجدہ طویل فرمادیتے تاآنکہ وہ خود ہی اتر جاتے۔ اپنی کفو سے گہرا تعلق رکھتے۔ اپنے چچا سید الشہداء امیر حمزہؓ کا قاتل وحشی بعد میں دولت ایمان سے سرفراز ہوا مگر حضورؐ کا قلق قائم رہا۔ آپؐ مسجد میں تشریف لاتے تو صحابہؓ احتراماً اٹھنے کا

ارادہ کرتے مگر ایسا نہ کرنے دیتے۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں: ''چاندنی رات تھی، سرور کونینؐ صحن میں تشریف فرما تھے۔ چاند حضورؐ کے رخ انور کے مقابل تھا۔ میں کبھی بدر منیر اور کبھی سراج منیر کو دیکھتی اور اس نتیجے پر پہنچی کہ چاند حضور اقدسؐ کے روئے زیبا کی تابانیوں کے سامنے ماند تھا۔

مجلس میں جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے۔ ہر شخص کی بات توجہ سے سنتے اور مناسب جواب دیتے۔ اصحابؓ بیمار ہوتے تو ان کی عیادت کو تشریف لے جاتے۔ کم سوتے، کم کھاتے اور کم بولتے۔ فتوحات کا آغاز ہوا تو مسجد نبویؐ میں مال غنیمت کے انبار لگ جاتے مگر خانہ اقدس میں فقر و فاقہ کی کیفیت رہتی اور گھر میں کئی کئی دن تک چولہا گرم نہ ہوتا۔

امت اور بناتِ امت کیلئے بمنزلہ باپ تھے مگر حجاب کا یہ عالم تھا کہ مستورات سے بیعت لینے کیلئے اپنا دستِ مبارک پانی کے پیالہ میں ڈال کر ان کی طرف بھیج دیا کہ وہ بھی اس میں ہاتھ ڈالتی جائیں اور بیعت ہوتی جائے گی۔ اپنی عام شہرت کا تحفظ فرماتے۔ شام کے جھٹپٹے میں اپنی کسی زوجہ محترمہ کے ساتھ حریم خانہ سے نکلے۔ گلی میں کسی شخص نے آپ کو پہچاننے کی کوشش کی تو فوراً بول اٹھے: ''میں محمدؐ ہوں اور ساتھ میری بیوی ہے۔''

اصحابؓ، آپ کی بابرکت مجلس میں لگن سے بیٹھے رہتے مگر آپ کبھی اکتاہٹ کا اظہار نہ فرماتے حالانکہ آپؐ کے آرام میں خلل پڑتا حتیٰ کہ آسمان سے مؤمنین کیلئے حکم اترا کہ حضورؐ کی مجلس میں زیادہ دیر نہ بیٹھا کریں۔ دوسروں کے شرف ذاتی کا لحاظ فرماتے۔ مکہ فتح ہوا تو سردار ابوسفیان کے گھر کو دارالامن قرار دے کر فرمایا: ''جو شخص ان کے گھر میں داخل ہوگا، محفوظ ہوگا۔'' حالانکہ ابوسفیان ابھی ایمان نہ لائے تھے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح نامہ میں محمدؐ رسول اللہ لکھنے پر فریق مخالف نے اعتراض کیا تو علیؓ سے کہا کہ اس پر خط کھینچ دیں مگر انہوں نے کہا کہ وہ یہ کام نہ کریں گے۔ کیونکہ رسول اللہؐ پر ان کا ایمان ہے۔ پھر اپنے ہاتھ سے اس پر خط کھینچا اور محمدؐ بن عبداللہ لکھوایا۔ دنیا پر ثابت کر دیا کہ امن کی خاطر وہ محمدؐ بن عبداللہ کی حیثیت سے بھی دستخط فرما سکتے ہیں۔ شرائط صلح بظاہر کمزور تھیں۔ عمرؓ نے ان پر اعتراض کیا مگر آپؐ نے انہی شرائط کو قبول فرمایا۔ یہ سب قربانی امن کی خاطر تھی۔ قریش اپنے زعم میں بالادست قوت کے طور پر اپنی شرائط پر صلح کر رہے تھے مگر بعد میں خود ہی پچھتاتے رہے۔ رسول اللہؐ اپنی پیغمبرانہ سیاسی بصیرت سے دیکھ رہے تھے کہ یہ صلح نامہ دراصل اسلام کی فتح ہے۔ چنانچہ بعد میں سورۃ الفتح اتری تو رب کعبہ نے بھی آپؐ کے فیصلہ کی تائید کی اور اس معاہدہ کو فتح مبین فرمایا۔

آپؐ ایک ماہر میرِ لشکر بھی تھے۔ جنگ ہو یا امن، اپنے دشمن کی حرکات و سکنات سے باخبر رہنے کیلئے اپنی انٹیلی جنس سے کام لیتے۔ سرحد شام پر ہرقل کی فوجوں کی نقل و حرکت کی خبر اسی ذریعے سے پائی تھی اور نہایت سرعت کے ساتھ سرحد پر جا خیمہ زن ہوئے۔ دشمن آپ کی خبرداری اور برق رفتاری کو دیکھ کر پیچھے ہٹ گیا۔

میدان اُحد میں پہاڑی درہ پر پچاس مجاہدین کا دستہ مقرر فرمایا کہ مبادا دشمن ادھر سے عقب پر حملہ نہ کردے۔ یہ آپؐ کی حربی دوراندیشی کی دلیل ہے۔ مگر جب تاکید کے باوجود اصحابؓ نے درہ چھوڑ دیا تو وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا اور جیتی ہوئی جنگ کا پانسہ دشمن کے حق میں پلٹ گیا۔

فن سپاہ گری نہایت ہی پیچیدہ سائنس ہے۔ حضورؐ تیراندازی میں مہارت پیدا کرنے کیلئے اصحاب سے یہ مشق ضرور کرایا کرتے تھے۔ میدان جنگ میں تیرانداز دستہ سے خوب خوب کام لیتے تھے۔ صفیں اچھی طرح استوار کراتے۔ میمنہ، میسرہ اور عقب و قلب لشکر کی ترتیب نہایت سلیقے سے کرتے۔ فرسٹ ایڈ اور طبی سہولیات کے انتظامات مکمل کراتے۔

امت کی سہولت ہمیشہ پیش نظر رہتی۔ بارش والے دن مغرب اور عشاء جمع کرادیتے اور اذان میں یہ اعلان بھی کرادیتے: (ألا صلوا في الرحال) ترجمہ: ''لوگو! گھروں میں نماز پڑھ لو''

سیرت محمدیؐ ایک ایسا موضوع ہے جس پر دنیا میں سب سے زیادہ کتب لکھی گئی ہیں۔ غیر مسلموں نے بھی حیات محمدؐ پر تصانیف کی ہیں اور حضورؐ کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ قانون کی دنیا میں آپ کو ایک عظیم واضع قانون (قانون دان) تسلیم کیا گیا ہے۔ دنیائے انقلاب میں آپ کو عظیم انقلابی لیڈر مانا گیا ہے۔ اس انقلاب کی قوت آج تک برقرار ہے۔ اگرچہ مسلمان بےعملی کا شکار ہیں۔ ان کی روحیں مردہ ہو چکی ہیں، ان کے نعرۂ تکبیر سے اب باطل کے کاخ و ایوان نہیں لرزتے لیکن اسلام وہ واحد دین ہے جسے لوگ آج بھی قبول کر رہے ہیں۔ یہ وہ انقلاب ہے جس کی دعوت حضور اقدسؐ نے 1424 سال پہلے فاران کی چوٹی پر کھڑے ہو کر دی تھی۔ یہ آواز اتنی زوردار تھی کہ جس کی شدت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ فرانس، برطانیہ اور امریکہ میں عیسائی اسلام قبول کرر ہے ہیں۔ یہ حقیقت اس الزام کا استرداد کرنے کو کافی ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی سیاسی دانش پر قربان جائیے۔ مدینہ میں تشریف لائے تو ساتھ مہاجرین تھے جو ہر عزیز شے مکہ میں چھوڑ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت اور ایمان کی دولت ساتھ لائے تھے۔

مہاجرین کی نئے وطن میں آبادکاری بڑا سنگین مسئلہ تھا۔ جسے آپؐ نے نہایت حکیمانہ انداز میں حل کیا۔ مہاجرین وانصار مدینہ کے درمیان اسلامی مواخات کا رشتہ استوار فرمایا۔ یہ رشتہ اتنا مستحکم ثابت ہوا کہ انصار نے اپنے ان دینی واسلامی بھائیوں کو میراث میں بھی شامل کرلیا جسے قرآن میں بیان کیا گیا کہ میراث مواخات میں نہ جائے گی۔ انصار نے مہاجرین بھائیوں کو اس طرح سینے سے لگایا کہ دونوں گروہ ایک وحدت میں گم ہو گئے۔

مدینہ میں ورود مسعود کے ساتھ ہی آپؐ نے بھرپور انداز میں اپنے سیاسی تدبر سے کام لیا۔ انصار و مہاجرین مل کر بھی مدینہ کی اکثریت نہ بنتے تھے۔ یہود مدینہ اپنی مالی خوش حالی کے باعث نہ صرف مدینہ میں بلکہ دور دور تک اثر ورسوخ رکھتے تھے۔ اہل کتاب ہونے کے ناتے، جاہل عرب میں بڑا احترام رکھتے۔ اس کے علاوہ انہوں نے مدینہ ونواح مدینہ کے اکثر لوگوں کو اپنی سودی ومہاجنی جال میں پھانس رکھا تھا۔ حضور اقدسؐ اپنی سیاسی بصیرت کے ذریعے دیکھ رہے تھے کہ یہود آئندہ چل کر کئی فتنے پیدا کریں گے۔ اس لئے آپؐ نے ان سے میثاق مدینہ کے نام سے ایک سیاسی معاہدہ کرلیا۔ یہ معاہدہ آپؐ کی بہت بڑی سیاسی کامیابی تھی۔ اس کے ذریعے آپؐ نے غیر محسوس طریقے سے پہلی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھ دی تھی اور یہود نے آپؐ کو مدینہ کا سربراہ تسلیم کرلیا تھا اور حضورؐ اور صحابہؓ ان کی طرف سے کسی فوری فتنہ گری سے محفوظ ہو گئے۔

مکہ میں آپؐ کا واسطہ قریش سے تھا۔ ان میں سے جو ایمان لائے، ڈنکے کی چوٹ پر لائے اور جنہوں نے انکار کیا وہ کھلے دشمن رہے۔ مگر یہودی ذہنیت بڑی ردی اور پاجی ہوتی ہے۔ ان میں سے منافقین پیدا ہوئے۔ یہ بزدل لوگ زبان پر ایمان اور دل میں کفر رکھتے تھے۔ یہ ایک الگ موضوع ہے۔ مجھے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ حضور اقدسؐ نے میثاق مدینہ کے ذریعے، یہودی سازشوں اور مضرتوں سے وقتی طور پر تحفظ حاصل کرلیا تھا۔ یہود کے پیٹ میں مروڑ تو اٹھتے ہی رہے مگر حضورؐ نے اس معاہدہ کے ذریعے اتنا وقت حاصل کرلیا تھا کہ جس میں آپؐ نے اطمینان کے ساتھ نئے وطن میں نئے حالات کے تحت اپنے مستقبل کی منصوبہ بندی کرلی تھی۔ اس کا کریڈٹ آپؐ کے سیاسی تدبر کو جاتا ہے۔ آپؐ کے سیاسی تدبر کو آپؐ کی پیغمبرانہ حکمت کا ہی حصہ سمجھنا چاہئے۔ اسی طرح آپؐ کی حربی اور جنگی صلاحیتوں کو بھی آپؐ کی رسالت کا ہی جزو ماننا چاہئے۔ کیونکہ آپؐ نے سیاست یا فن حرب یا کوئی دوسرا علم کسی دنیوی درسگاہ سے نہ سیکھا تھا۔ یہ سارے کمالات وہبی تھے اور آپؐ کے سارے اقدامات وحی کے تابع تھے اور یہ سب اس حکمت کا حصہ ہیں جس کا ذکر اس آیت میں ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اللہ کی آیات کی تلاوت امت کو سکھاتے ہیں۔ پھر کتاب اور اس میں پوشیدہ حکمت کی تعلیم امت کو دیتے ہیں اور اس سارے عمل کا حاصل امت کا تزکیۂ نفس ہے۔ بعون حق سبحانہ تمام شد۔